30

مومن کی علامت یہ ہوتی ہے
کہ وہ ہر وقت قربانی کے مواقع کی تلاش میں رہتا ہے

(فرمودہ 7 دسمبر 1951ء بمقام ربوہ)

تشہّد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد حضور نے سورۃ الاحزاب کی درج ذیل آیات کی تلاوت فرمائی:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ۝ وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ ۙ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۡ وَمَا زَادَهُمْ اِلَّآ اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا ۝ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ۖ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ۝ لِّيَجْزِيَ اللّٰهُ الصّٰدِقِيْنَ بِصِدْقِهِمْ وَيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ اِنْ شَآءَ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ [1]

پھر فرمایا: ”میں نے پچھلے خطبہ جمعہ میں ایک آیت سورۃ بقرہ کی پڑھی تھی لیکن اُس کے

مضمون کو بیان کرنے کا مجھے موقع نہیں مل سکا تھا۔ پچھلے جمعہ تحریک جدید کے اٹھارہویں سال کی تحریک کا اعلان کرتے ہوئے میں نے بتایا تھا کہ جماعت کے کئی افراد کے دلوں میں اِس تحریک کے متعلق شبہات پیدا ہوئے ہیں اور بعض نے مجھے لکھا بھی ہے کہ یہ تحریک پہلے تین سال کے لیے جاری کی گئی تھی، پھر اسے دس سال تک بڑھایا گیا، پھر دس سے انیس سال تک بڑھا دیا گیا اور اَب آپ کے بعض اشارات سے پتا لگتا ہے کہ اس تحریک کی میعاد اَور بڑھنے والی ہے۔

میں نے بتایا تھا کہ اِس کے دو پہلو ہیں۔ اِس کا ایک پہلو واقعاتی لحاظ سے ہے اور ایک پہلو سنّتُ اللہ کے لحاظ سے ہے۔ یعنی ہم دو طرح سے کسی چیز کو بُرا کہہ سکتے ہیں۔ یا تو وہ چیز واقعات کے خلاف ہوتی ہے اور یا سنّتُ اللہ کے خلاف ہوتی ہے۔ میں نے بتایا تھا کہ سنّتُ اللہ میں یہ بات بھی پائی جاتی ہے کہ خدا تعالیٰ بعض دفعہ کسی چیز کی تھوڑی سی حقیقت ظاہر کر کے لوگوں کو اس طرف لاتا ہے اور جب اُن کا ذوق ترقی کر جاتا ہے، اُن کا شوق بڑھ جاتا ہے اور وہ اپنے اندر قربانی میں بشاشت محسوس کرنے لگتے ہیں تو وہ حقیقت پر سے پردہ اٹھا دیتا ہے۔ میں نے اِس کی دو مثالیں دی تھیں۔ ایک مثال میں نے جنگِ بدر کی دی تھی کہ صحابہؓ کو مدینہ سے یہ کہہ کر نکالا گیا تھا کہ تمہارا مقابلہ یا تو شام سے آنے والے تجارتی قافلہ سے ہوگا اور یا مکہ سے آنے والے کُفّار کے لشکر سے ہوگا۔ لیکن جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بدر کے مقام کے قریب پہنچے تو آپ نے فرمایا ہماری مکہ سے آنے والے لشکر سے لڑائی ہوگی۔ اَب بولو! تمہاری کیا رائے ہے؟ میں نے بتایا تھا کہ اُس وقت صحابہ کرامؓ خصوصاً انصار نے کہا کہ ہمارے ساتھ معاہدے اُس وقت تک تھے جب تک ہم پر حقیقت نہیں کھلی تھی۔ اَب ہم پر حقیقت کھل گئی ہے اَب جہاں بھی ہمیں جھونکیے ہم تیار ہیں۔2 لیکن یہاں تو کوئی معاہدہ نہیں صرف ایک اعلان تھا جو میں نے کیا۔

دوسری مثال میں نے یہ دی تھی کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے تیس راتوں کا وعدہ کیا تھا۔ پھر اُسے چالیس کر دیا گیا۔3 اس پر آریوں اور عیسائیوں نے اعتراضات کیے ہیں کہ اسلام کا خدا نَعُوْذُ بِاللّٰہِ جھوٹا ہوگیا۔ اُس نے موسیٰ علیہ السلام سے تیس راتوں کا وعدہ کیا تھا پھر اُسے چالیس کر دیا۔ ہم اِس کا یہی جواب دیتے آئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا اپنے انعامات کو زیادہ کرنا وعدہ خلافی نہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تیس راتوں کی بجائے چالیس راتیں

عبادت کرنے کا موقع ملنا اور خدا تعالیٰ کے کلام کا لمبا ہو جانا اُن کے لئے زیادہ عزت کی بات تھی اور یہ ایک انعام تھا جو خدا تعالیٰ نے اُن پر کیا اور انعام میں زیادتی وعدہ خلافی نہیں ہوتی۔

میں نے اُس دن بتایا تھا کہ خدا تعالیٰ کے رستہ میں قربانیاں کرنا مومن کے لیے ایک اعزاز ہوتا ہے۔ خدا تعالیٰ اسے اپنے انعامات کا وارث بناتا ہے اور اس میں زیادتی کرنا وعدہ خلافی نہیں ہوتا۔ لیکن سنّتُ اللہ یہ ہے کہ وہ کمزوریوں کا خیال رکھتا ہے اور وہ یکدم حقیقت نہیں کھولتا۔ جوں جوں لوگوں کے ذوق وشوق میں ترقی ہوتی جاتی ہے تُوں تُوں وہ حقیقت کھولتا جاتا ہے۔ جب میں نے تحریک جدید کا اجرا کیا تھا اُس وقت مجھ پر بھی حقیقت نہیں کھلی تھی۔ میں نے تین سال کا اعلان کیا پھر تم پر بھی حقیقت نہیں کھلی۔ اِس لیے جن لوگوں کے اندر بشاشت پائی جاتی تھی وہ تو تین سال کی قربانی کے لیے تیار ہو گئے اور باقی پیچھے رہ گئے۔ پھر اِس تحریک کو تین سال سے دس سال تک بڑھا دیا گیا تو جن میں بشاشت پائی جاتی تھی وہ قربانی کے لیے تیار ہو گئے اور باقی پیچھے رہ گئے۔ پھر اِس تحریک کو انیس سال کے لیے بڑھا دیا گیا تو ایک حصہ جماعت کا قربانی کے لیے تیار ہو گیا اور باقی حصہ پیچھے رہ گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ مجھ پر بھی یہ راز اُس وقت نہیں کھلا تھا اس لیے میں نے ایک محدود عرصہ کے لیے جماعت سے قربانی کا مطالبہ کیا۔ یہ تحریک تبلیغِ اسلام کے لیے جاری کی گئی تھی۔ اَب کیا کوئی ہے جو کہے کہ تبلیغِ اسلام صرف تین سال کے لیے ہونی چاہیے یا تبلیغِ اسلام صرف دس سال کے لیے ہونی چاہیے یا تبلیغِ اسلام صرف انیس سال کے لیے ہونی چاہیے؟ قرآن کریم میں خدا تعالیٰ کے متعلق آتا ہے کہ وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ۔[4] اگر میں اُس وقت یہ اعلان کرتا کہ تم دائمی قربانی کے لیے تیار ہو جاؤ تو آپ لوگوں کو پتا ہے وہ وقت ایسا تھا جب صدر انجمن احمدیہ دیوالیہ ہو رہی تھی اور سلسلہ نہایت تنگی کی حالت میں سے گزر رہا تھا۔ بعض محکمے توڑے جا رہے تھے اور کارکنوں کی تنخواہیں کم کی جا رہی تھیں۔ اُس وقت میں نے تجویز کیا کہ جماعت تین سال کے لیے خاص رنگ میں مالی قربانی کرے۔

یہ عجیب لطیفہ ہے کہ اکثر لوگوں نے اُس وقت اِس تحریک کو صرف ایک سال کے لیے ہی سمجھا تھا اور جب میں نے خطبہ جمعہ دیکھا تو واقع میں اس میں بہت سے الفاظ ایسے تھے جن سے ایک سال ہی نکلتا تھا۔ گو ایسے الفاظ بھی تھے جن سے زیادہ عرصہ نکلتا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگوں نے خیال کر لیا

کہ اگر ایک سال یا دو سال یا تین سال کی قربانی سے احمدیت کی حفاظت ہوتی ہے اور ہماری مخالفت کا زور کم ہوتا ہے تو آؤ ہم پورا زور لگا کر قربانی کریں۔ دوسرا نتیجہ اِس کا یہ ہوا کہ صدر انجمن احمدیہ کے چندے بھی باقاعدہ ہو گئے۔ مجھے یاد ہے کہ اُس وقت ناظروں نے مجھ سے پروٹیسٹ کیا تھا کہ صدر انجمن احمدیہ مالی لحاظ سے تباہی کے گڑھے پر کھڑی ہے۔ اِس وقت مالی قربانی کی ایک نئی تحریک کر کے آپ نے اسے تباہی کے اَور قریب کر دیا ہے۔ مگر میں نے انہیں یہی جواب دیا تھا کہ میری اِس تحریک کے نتیجہ میں صدر انجمن احمدیہ کے باقی چندے بھی باقاعدہ ہو جائیں گے۔ چنانچہ پھر ان کے چندوں نے بھی بڑھنا شروع کیا اور یہ تحریک بھی اوپر چڑھتی گئی اور صدر انجمن احمدیہ کا اُس وقت پانچ، چھ لاکھ روپیہ بجٹ تھا اور اَب بارہ لاکھ روپیہ سالانہ کا بجٹ ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کے تمام کام اپنے اندر ویوز (Waves) اور لہروں کا سا رنگ رکھتے ہیں اور ان سب میں ایک تدریجی ارتقاء پایا جاتا ہے۔ ایٹم بم کو ہی لے لو وہ بھی اسی تھیوری کے ماتحت ہے۔ اسی طرح دریاؤں اور سمندروں کو دیکھ لو شروع شروع میں جب دریا نکلتا ہے تو وہ ایک چھوٹی سی نالی ہوتی ہے۔ اُسے دیکھ کر انسان وہم بھی نہیں کر سکتا کہ یہ چھوٹی سی نالی دریا بننے والی ہے۔ میں نے دریائے جہلم کا ابتدائی حصہ بھی دیکھا ہے، دریائے راوی کا ابتدائی حصہ بھی دیکھا ہے اور دریائے بیاس کا ابتدائی حصہ بھی دیکھا ہے۔ دریائے جہلم کا تو بالکل ابتدائی حصہ دیکھا ہے۔ وہ اتنا چھوٹا ہے کہ ہم اُسے تیز قدم سے کُود جایا کرتے تھے۔ یہ مقام کشمیر میں واقع ہے اور اسے ویری ناگ کہتے ہیں۔ وہ جگہ صرف اِتنی چوڑی ہے کہ انسان لمبا قدم مار کر یا ذرا اُچھل کر اسے کُود جاتا ہے۔ اور اگر کوئی لمبا آدمی ہو تو شاید بغیر اُچھلے ہی اسے کُود جائے۔ راوی کے دہانے پر ہم نہیں پہنچے لیکن جو جگہ ہم نے دیکھی ہے وہ ایسی ہے کہ انسان بانس کے ساتھ اُسے پار کر لیتا ہے۔ بیاس کا پاٹ بھی میں نے دیکھا ہے۔ بیاس کا بالکل ابتدائی حصہ تو نہیں دیکھا لیکن جو جگہ دیکھی ہے وہ کوئی چار پانچ گز چوڑی ہو گی۔ اگر ہم اوپر جاتے تو شاید وہ مقام بھی ایسا ہی ہوتا کہ ہم پھلانگنے سے پار ہو جاتے۔ سندھ کا ابتدائی حصہ بھی میں نے دیکھا ہے وہ اتنا چوڑا تھا جتنی ایک چھوٹی نہر ہوتی ہے۔ گویا چار دریاؤں کے پاٹ میں نے دیکھے ہیں لیکن میں نے ان میں سے کوئی دریا بھی ایسا نہیں دیکھا جو شروع سے ہی دریا کی شکل میں نکلتا ہو۔ سارے دریا شروع میں نالیوں کی شکل میں ہوتے ہیں اور پھر آہستہ آہستہ

بڑھتے جاتے ہیں۔ گویا ان کے مختلف مدارج ہوتے ہیں۔

پہاڑوں میں بھی مدارج ہوتے ہیں۔ بچپن میں ہم سمجھتے تھے کہ یکدم کوئی جگہ اتنی اونچی آ جاتی ہے کہ وہ آسمان سے باتیں کر رہی ہوتی ہے۔ لیکن جب پہلی دفعہ میں شملہ گیا تو پتا بھی نہیں لگتا تھا کہ یہ کوئی پہاڑ ہے۔ ایک چھوٹا سا ٹیلہ نظر آتا تھا۔ جب گاڑی اُس پر چڑھ گئی تو ایک اَور ٹیلہ نظر آ گیا اور جب گاڑی اُس پر بھی چلی گئی تو ایک اَور ٹیلہ نظر آنے لگا۔ غرض پہاڑوں کا وہ نقشہ جو ہم نے بچپن میں اپنے ذہن میں جمایا ہوا تھا وہ آٹھ ہزار فٹ پر بھی نظر نہیں آتا تھا کیونکہ پہاڑ کے بھی مدارج ہوتے ہیں۔ جوں جوں ہم اوپر چڑھتے ہیں تُوں تُوں جسے ہم پہلے پہاڑی خیال کرتے تھے وہ زمین بن جاتی ہے اور اگلی جگہ پہاڑی معلوم ہوتی ہے۔ غرض تمام چیزیں تدریج کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں۔ سردی اور گرمی کو دیکھ لو یہ بھی تدریج کے ساتھ آتی ہیں۔ آہستہ آہستہ سردی یا گرمی زیادہ ہوتی جاتی ہے اور ایک وقت میں آپ یہ محسوس کرتے ہیں کہ اَب انتہائی سردی ہے یا انتہائی گرمی ہے۔

یہی حال دین کا بھی ہے۔ کوئی شخص یہ خیال بھی نہیں کر سکتا کہ خدا تعالیٰ کی قائم کردہ جماعت غالب آ جائے گی بلکہ غیر تو کیا کمزور ایمان والے خود بھی نہیں سمجھتے کہ وہ کبھی غالب آ جائیں گے۔ اگر وہ سمجھتے کہ وہ ایک دن غالب آ جائیں گے تو وہ کمزوری نہ دکھاتے بلکہ مومنوں سے بڑھ کر مضبوط رہتے کیونکہ مومن تو صرف آخرت پر ایمان رکھتے ہیں لیکن یہ لوگ دنیاوی لالچ کی بناء پر کام کرتے ہیں۔ اگر انہیں انتہائی ترقی نظر آتی تو وہ کمزوری کیوں دکھاتے۔ پچھلے دنوں جو کچھ پنجاب میں گزرا ہے اگر تین دن قبل بھی یہ بات روشن ہو جاتی کہ سب کچھ سِکھ اور ہندو لے لیں گے تو ایک ڈاکو اور چور مسلمان بھی ایسا نہ ہوتا جو اپنا سارے کا سارا مال خدا تعالیٰ کی راہ میں نہ دے دیتا۔ اِسی طرح جس شخص کو پتا ہو کہ اسے عزت، مال اور حکومت ملنے والی ہے اُسے قربانی کے وقت اُتنی تکلیف بھی نہ ہو جتنی تکلیف ایک زمیندار کو بیج ڈالتے وقت ہوتی ہے۔ بہرحال خدا تعالیٰ نے اپنی ترقی کو تدریجی رکھا ہے تا کہ مومن اور منافق کا فرق ظاہر ہو جائے۔ سورۃ بقرہ کی یہ آیت کہ كُلَّمَآ اَضَآءَ لَهُمْ مَّشَوْا فِيْهِ ۙ وَاِذَآ اَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوْا ؕ 5 اِسی مضمون کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے خدا تعالیٰ کی جماعت کی ایک ہی حالت نہیں رہتی۔ ایک وقت یوں معلوم ہوتا ہے کہ روشنی ہی روشنی ہے لیکن دوسرے وقت یوں معلوم ہوتا ہے کہ تاریکی ہی تاریکی ہے۔ فرمایا اسلام اِسی طرح

بڑھتا ہے۔ کمزور آدمی جب روشنی دیکھتا ہے تو وہ اکڑ کر چلنے لگتا ہے اور جب اندھیرا ہوتا ہے تو کھڑا ہو جاتا ہے لیکن مومن ہر وقت ترقی کرتا چلا جاتا ہے۔ پس یہ چیز الٰہی سلسلوں کے ساتھ ہمیشہ سے لگی ہوئی ہے اور اس سے پتا لگتا ہے کہ ہمیشہ مصائب بھی آئیں گے اور ترقیات بھی ہوتی رہیں گی۔ اور جب یہ معلوم ہو گیا کہ مصائب اور ترقیات اپنے اندر ایک تسلسل کا رنگ رکھتی ہیں تو دو سال یا دس سال کے کوئی معنے ہی نہیں۔ قرآن کریم بتاتا ہے کہ دین کی گاڑیاں ہمیشہ پھنستی رہیں گی اور نکلتی رہیں گی۔ اور جب گاڑیاں پھنستی رہیں گی تو لازماً ہمیں قربانیاں بھی ہمیشہ دینی پڑیں گی۔ ایک پہاڑی پر چڑھنے کے یہ معنیٰ نہیں ہوتے کہ ہم نے دوسری پہاڑی پر نہیں چڑھنا۔ ہمیں ایک پہاڑی سے دوسری پہاڑی پر چڑھنا ہوگا اور پھر دوسری سے تیسری پہاڑی پر چڑھنا ہوگا۔ روحانی اور جسمانی پہاڑیوں میں صرف یہ فرق ہے کہ جسمانی پہاڑیاں ختم ہو جاتی ہیں لیکن روحانی پہاڑیاں ختم نہیں ہوتیں۔ كُلَّمَآ اَضَاۤءَ لَهُمْ مَّشَوْا فِيْهِ ۙ میں خدا تعالیٰ نے یہی بتایا ہے کہ کس طرح الٰہی سلسلوں کے ساتھ یہ دَور چلتے چلے جاتے ہیں۔ اور جب یہ دَور چلتے چلے جائیں گے اور کمزوروں نے بھی ہونا ہے اور مخلصوں اور **السابقون الاولون** نے بھی ہونا ہے تو قربانیاں بھی ہمیشہ ہی دینی پڑیں گی۔

پس الٰہی سنّت کے مطابق وعدے تبدیل بھی ہو سکتے ہیں۔ اور یہ تو ایک اعلان تھا جو ہر وقت تبدیل کیا جا سکتا تھا۔ پس حیرت کی یہ بات نہیں کہ تین سال سے دس سال کیسے بن گئے یا دس سال سے انیس سال کیسے بن گئے یا انیس سال سے ہمیشہ کیسے بن گیا۔ بلکہ حیرت کی بات یہ ہے کہ میرے جیسا آدمی جس کی ساری عمر قرآن کریم کے گہرے مطالعہ میں گزری ہے اُس کے منہ سے تین سال یا دس سال یا انیس سال کیسے نکلے۔ گویا تین سال، دس سال یا انیس سال کہنا حیرت کی بات ہے ''ہمیشہ'' کہنا حیرت کی بات نہیں۔ میں جب اِس چیز کو بیان کرتا ہوں تو اپنے دل میں شرمندگی محسوس کرتا ہوں۔ اِس لیے نہیں کہ میں نے تین سال سے انیس سال کیوں کہہ دیا بلکہ اس لیے کہ میری عقل پر کونسا پردہ پڑ گیا تھا کہ میں نے اسے انیس سال سمجھ لیا۔ میں نے یہ کیوں سمجھ لیا کہ کوئی وقت ایسا بھی آ سکتا ہے جب مسلمان تربیت اور تبلیغ سے فارغ ہو جائے گا۔ عام مسلمانوں کا خیال ہے اور پرانی تفسیروں میں بھی یہی آتا ہے کہ جنت میں انسان کام سے فارغ ہو جائے گا اور اُس کی جو خواہش ہوگی وہ پوری ہو جائے گی۔ اُسے بیویاں ملیں گی، لونڈیاں ملیں گی، بادشاہت ملے گی، جنّتی شرابِ طہور

پی رہے ہوں گے جس میں شراب کی تمام لذتیں ہوں گی صرف نشہ نہیں ہوگا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس نقشہ کو بھی اڑا دیا ہے۔ آپؑ نے فرمایا ہے کہ جنت میں بھی انسان کو کام کرنا پڑے گا۔ فرق صرف یہ ہے کہ دنیا میں انسان گر سکتا ہے لیکن جنت میں انسان گرے گا نہیں۔ جنتی محنت بھی کریں گے، اعمال بھی بجالائیں گے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ وہ ترقی کرتے جائیں گے، گریں گے نہیں۔ ان کا خوف جاتا رہے گا اور کچھ نہیں۔6 اور جب جنت میں بھی کام کرنا پڑتا ہے تو یہ دنیا تو دارالعمل ہے پھر یہاں دس پندرہ سال کام کرنے کے بعد آرام کا خیال بھی کیسے آ سکتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تو فرمایا ہے انسان کو جنت میں بھی آرام نہیں ملے گا۔ جو لوگ بیکاری کو اچھا خیال کرتے ہیں اُن میں سے کوئی دس دن کے لیے اِس کا تجربہ تو کرے۔ وہ چارپائی پر لیٹا رہے، لوگ اُس کے پاؤں دبائیں اور کھانے کو حلوہ، پلاؤ اور تنجن7 دیں۔ ہم دیکھیں گے کہ وہ دس دن کے بعد ہی بھاگ جاتا ہے یا نہیں۔ بیکاری سے زیادہ تکلیف دِہ چیز دنیا میں اَور کوئی نہیں۔ ہمیشہ کا آرام بھی بُرا ہوتا ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الاول فرمایا کرتے تھے کہ کوئی امیر لڑکا تھا۔ اُس کے پاس لاکھوں روپیہ تھا۔ وہ بیمار تھا۔ میں اُسے دیکھنے کے لیے گیا۔ اُس کے مصاحب اُس کے اردگرد بیٹھے ہوئے تھے۔ قیمتی کپڑے کے تھان ان کے آگے پڑے ہوئے تھے اور وہ انہیں پھاڑ پھاڑ کر پھینک رہے تھے۔ میں نے کہا یہ کیا پاگل پن ہے؟ اتنا قیمتی کپڑا ہے اور تم پھاڑ پھاڑ کر پھینک رہے ہو۔ اُس نے کہا بیکار بیٹھے بیٹھے میری طبیعت گھبرا گئی تھی۔ ایک دن میں بازار سے گزرا۔ ایک دکاندار کپڑا پھاڑ رہا تھا۔ مجھے آواز اچھی لگی اِس لیے میں نے یہ شغل اختیار کر لیا ہے۔ میں کپڑا منگوا لیتا ہوں اور اُس کو پھاڑنے سے جو آواز پیدا ہوتی ہے اُس سے لذّت اٹھاتا ہوں۔

اَب بظاہر یہ امیری ہے لیکن یہ کتنا بڑا عذاب ہے۔ ایک بچہ بھی اسے دیکھے گا تو پاگل پن کہے گا۔ اگر اپنے گھر کو آگ لگانا عذاب نہیں تو پھر قیمتی تھانوں کو پھاڑنا بھی عذاب نہیں۔ بات صرف یہ تھی کہ اُس سے بیکار بیٹھا نہیں جاتا تھا اور ہم دیکھتے ہیں کہ امراء میں سے جو لوگ بیکار ہوتے ہیں وہ اپنا سارا وقت شطرنج، گنجفہ8 اور چوسر9 کھیلنے میں ضائع کر دیتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہ اُن کے زندگی گزارنے کا ذریعہ ہے۔ بہرحال ہمیں کوئی نہ کوئی کام کرنا پڑے گا خواہ دین کا ہو یا دنیا کا۔ کیا تم نے

کوئی گورنمنٹ دیکھی ہے کہ وہ دس بیس سال تک معاملہ یا ٹیکس وصول کرے اور پھر بند کر دے؟ انیس سال تک کسٹم ڈیوٹی لگائے اور پھر بند کر دے تم کہو گے ہم نے ہرگز کوئی ایسی حکومت نہیں دیکھی اور نہ ایسی کوئی حکومت دنیا میں ہوسکتی ہے۔ پھر یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ خدا تعالیٰ کی راہ میں قربانی کرنا بند ہو جائے۔ خدا تعالیٰ نے پردہ اِس لیے رکھا تھا تا کمزور بھی ساتھ چل پڑیں۔ اگر وہ پردہ نہ ڈالتا تو سینکڑوں لوگ محروم ہو جاتے لیکن اب وہ گھسٹتے گھسٹتے ساتھ جا رہے ہیں۔ وہ منہ سے کہیں گے کہ دس سال سے انیس سال کیوں ہو گیا؟ لیکن وہ ساتھ چلتے بھی چلے جائیں گے کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ پتا نہیں اَور دس سال زندگی بھی ہے یا نہیں۔ بہرحال اِسی طریق کے اختیار کرنے سے اللہ تعالیٰ نے کمزوروں سے بھی خدمت لے لی ہے۔

جو آیات میں نے پڑھی ہیں اُن میں خدا تعالیٰ نے مومنوں کی زندگی کا نقشہ کھینچا ہے اور كُلَّمَآ اَضَآءَ لَهُمْ مَّشَوْا فِيْهِ میں خدا تعالیٰ نے بتایا تھا کہ کمزور اور منافق لوگ روشنی میں چل پڑتے ہیں لیکن تاریکی میں ٹھہر جاتے ہیں۔ یعنی کامیابی کے وقت وہ ساتھ چلتے ہیں اور مصائب اور قربانی کے وقت وہ کھڑے ہو جاتے ہیں۔ لیکن مومن دونوں صورتوں میں چلتا ہے۔ سورۃ احزاب کی آیات جو میں نے اَب پڑھی ہیں ان میں مومنوں کا رنگ بتایا گیا ہے۔ لیکن سورۃ بقرہ کی آیت كُلَّمَآ اَضَآءَ لَهُمْ میں منافقوں کا رنگ بتایا گیا تھا۔ مومنوں کے متعلق خدا تعالیٰ فرماتا ہے وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ ۙ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۫ وَمَا زَادَهُمْ اِلَّآ اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا۔ جب مومنوں نے دشمن کے لشکر دیکھے اور سارے عرب کی فوجوں کو دیکھا کہ وہ مدینہ کے ایک چھوٹے گاؤں پر اُمڈ آئی ہیں تو کہا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ۔ دوسرے لوگ تو دشمن کی فوجیں دیکھ کر گھبرائے کہ پتا نہیں کیا ہو جائے گا۔ مسلمان فوج کُل بارہ سوتھی اور کُفّار کا لشکر پندرہ ہزار تھا بلکہ مدینہ میں بھی بغاوت ہو گئی تھی۔ لوگ سمجھتے تھے اب مسلمان ختم ہو جائیں گے لیکن مومنوں نے جب احزاب کو دیکھا تو کہا اَللّٰہُ اَکْبَر! اسلام کتنا سچا مذہب ہے۔ اس میں پہلے سے پیشگوئیاں موجود تھیں کہ لوگ مدینہ پر چڑھ آئیں گے اور مسلمانوں پر حملہ آور ہوں گے۔ بھلا کسی کو خیال بھی آ سکتا تھا کہ سارے عرب کے قبائل مدینہ پر حملہ آور ہوں گے۔ اِس صورت میں یہ کتنی شاندار بات تھی کہ پہلے سے

بتا دیا گیا کہ سارا عرب مل کر مسلمانوں پر حملہ کرے گا وَمَا زَادَهُمْ اِلَّآ اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا بجائے اِس کے کہ مومن ڈرتے، گھبراتے اور کہتے کہ اس قدر قربانیاں کیسے ہوں گی اِس حملہ اور تباہی نے اُن کے ایمانوں کو بڑھا دیا۔ پھر صرف اُن کا ایمان ہی نہیں بڑھا بلکہ اُن کے عمل میں بھی ترقی ہوئی۔ کیونکہ انہوں نے سمجھا کہ چونکہ خدا تعالیٰ کی ایک عظیم الشان پیشگوئی پوری ہوئی ہے اس لیے اس کے نتیجہ میں جو ثواب ملے گا وہ بھی عظیم الشان ہوگا۔ نادان سمجھتا ہے کہ ترقی کا نشان بڑا نشان ہوتا ہے لیکن مومن کہتا ہے کہ ترقی کا نشان ہی بڑا نشان نہیں بلکہ آفات کا نشان بھی بڑا نشان ہے۔ مثلاً اگر تم دیکھو کہ کسی غریب آدمی کی جیب سے ایک کروڑ روپیہ نکلا ہے تو تم حیران ہو گے لیکن ایک بچہ جو لکڑی کے سہارے سے چل رہا ہوتا ہے وہ اگر کہے کہ ایک دن روس اور امریکہ کی فوجیں اُس پر حملہ کریں گی تو کیا یہ کوئی کم نشان ہے۔ اس بچہ کے متعلق تو کوئی خیال بھی نہیں کرسکتا کہ اس پر کوئی دس برس کا بچہ بھی حملہ کرے گا۔ کسی کو یہ وہم بھی نہیں ہوسکتا کہ اُس پر ایک آدمی حملہ کرسکتا ہے۔ کسی کو یہ خیال بھی نہیں آسکتا کہ اُس پر دس آدمی یا ایک گاؤں کے آدمی حملہ آور ہوسکتے ہیں۔ کُجا یہ کہ وہ کہے کہ مجھ پر دنیا کی بڑی بڑی طاقتیں حملہ کریں گی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جن کی مکہ میں یہ حالت تھی کہ آپ نماز پڑھتے تھے تو کفار اوجھڑی آپ کے سر پر رکھ دیتے تھے وہ آپ کو مارتے تھے، پیٹتے تھے، آپ پر کوڑا کرکٹ پھینکتے تھے اور آپ کے خلاف گند اُچھالتے تھے۔ آپ کے متعلق یہ خیال کر لینا کہ ایک دن آپ کی شان اتنی بڑھ جائے گی کہ سارا عرب مل کر آپ پر حملہ آور ہوجائے گا اور آپ کے خلاف یہودی اور مشرکین متحد ہو جائیں گے۔ یہ کسی کے بس کی بات نہیں تھی۔ سارے عرب قبائل کا اکٹھا ہوجانا اور یہود کا اُن کے ساتھ مل جانا اور آپ پر حملہ آور ہونا کوئی کم نشان نہیں۔ بیشک فتح مکہ ایک عظیم نشان تھا لیکن جنگِ احزاب بھی اس سے کوئی کم بڑا نشان نہیں۔

قرآن کریم میں فتح مکہ کا اتنا زوردار ذکر نہیں آیا جتنا زوردار ذکر جنگِ احزاب کا ہے اور یہ اتنا عظیم الشان نشان ہے کہ انسان حیران رہ جاتا ہے۔ ایک بیکس و بے بس انسان جس کا ہمسایہ بھی سمجھتا ہے کہ وہ اُسے مار سکتا ہے۔ وہ اُسے وطن سے باہر نکال سکتا ہے، لوگ اُسے حقیر سمجھتے ہیں، مارتے ہیں، پیٹتے ہیں، نماز پڑھتے ہوئے اُس پر جانوروں کی اوجھڑیاں پھینک دیتے ہیں۔ وہ کہتا ہے کہ ایک دن سب عرب قبائل مل کر مجھ پر حملہ کریں گے لیکن وہ شکست کھائیں گے۔ اور پھر واقع میں سب قبائل مل کر

اُس پر حملہ آور ہوتے ہیں۔ اور جیسا کہ اُس نے پہلے بتایا ہوتا ہے انہیں اس کے مقابلہ میں شکست نصیب ہوتی ہے۔ گویا اس کی پیشگوئی کے دونوں حصے پورے ہوتے ہیں۔ قبائل حملہ آور بھی ہوتے ہیں اور پھر انہیں شکست بھی ہوتی ہے۔ مومن کہتا ہے کہ یہ عذاب کی بات نہیں بلکہ دشمن کا ایک ایک آدمی جو اِس جنگ میں شریک ہوا ہے وہ خدا تعالیٰ کا عظیم الشان نشان ہے کیونکہ کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ اِس طرح مشرق، مغرب، شمال اور جنوب کے قبائل اکٹھے ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ آور ہوں گے اور آپؐ کے خلاف یہود اور مشرکین آپس میں معاہدہ کر لیں گے۔ اِسی لیے خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب مومنوں نے دیکھا کہ سب قبائل اکٹھے ہو کر مدینہ پر حملہ آور ہوئے ہیں تو انہوں نے کہا ھٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۫ وَمَا زَادَهُمْ اِلَّآ اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا۔ اللہ اللہ! یہ کتنا بڑا معجزہ ہے۔ دوسرے لوگ کہتے ہیں اِتنا بڑا دشمن حملہ آور ہوا ہے پتا نہیں کیا ہوگا لیکن مومن کہتا ہے اَللّٰہُ اَکْبَرُ! یہ کتنا بڑا معجزہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے ہمیں پہلے سے بتا دیا تھا کہ اِسی کمزور انسان پر جسے ہم نے نبی مقرر فرمایا ہے ایک وقت میں عرب لوگ گھبرا کر اور سب اکٹھے ہو کر حملہ کریں گے اور عرب اس کے مقابلہ کے لیے اپنی ساری شوکت کو جمع کرنے پر مجبور ہوگا۔

اصل مضمون کے ساتھ تو اِن آیات کا اتنا ہی تعلق تھا لیکن جب اگلی آیت سامنے آ جاتی ہے تو گدگدیاں سی ہونے لگتی ہیں اور اُسے بغیر کچھ بیان کیے چھوڑا نہیں جا سکتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا۔ اِس آیت میں مومن کے ایمان کا معراج بتایا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مومنوں میں سے بعض لوگ ایسے بھی ہیں کہ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ۔ خدا تعالیٰ سے جو وعدہ انہوں نے کیا تھا اُسے انہوں نے پورا کر دیا ہے۔ خدا تعالیٰ اگر اپنا وعدہ پورا کرتا ہے تو یہ اُس کے لیے آسان امر ہوتا ہے۔ وہ آقا ہے، مالک ہے۔ لیکن بندہ تو کمزور اور ضعیف ہے۔ وہ اگر خدا تعالیٰ سے وعدہ کرے اور پھر اُسے پورا کرے تو یہ بڑی شان کی بات ہے۔ فرمایا بعض لوگ تو ایسے ہیں فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ کہ جو وعدہ انہوں نے خدا تعالیٰ سے کیا تھا وہ انہوں نے لفظاً لفظاً پورا کر دیا یعنی کچھ تو ایسے ہیں جنہوں نے اپنی جان کی بھینٹ چڑھا کر اپنے وعدہ کو پورا کر دیا۔ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ اور کچھ ایسے ہیں کہ وہ اس لیے کہ انہیں

قربانی کا موقع نہیں ملا۔ اِس انتظار میں ہیں کہ کوئی موقع آئے تو وہ قربانی کریں وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا۔ وقت آنے سے پہلے کسی کا یہ کہنا کہ اگر وقت آیا تو میں یہ کروں گا وہ کروں گا۔ کہنے والے کی کمزوری کی علامت ہوتی ہے اسے فخر و تعلّی کہتے ہیں۔ یعنی پہلے تو یہ کہنا کہ وقت آئے گا تو میں یہ کروں گا لیکن وقت آنے پر بھاگ جانا۔

پس گو بظاہر یہ کمزوری ہوتی ہے کہ یہ کہا جائے کہ ہمیں بھی موقع ملے تو تمہیں قربانی کر کے دکھائیں۔ یہ الفاظ بالعموم وہی کہتا ہے جو کمزور ہوتا ہے اور وقت آنے پر اپنے عہد کو نبھا نہیں سکتا لیکن وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا۔ یہ لوگ تھے جنہوں نے فخر کیا اور پھر اسے پورا کر دیا۔ اِس میں کوئی تبدیلی نہیں کی۔ یہی وہ آیت ہے جو جنگ بدر اور جنگ اُحد کو ملاتی ہے۔ جس طرح دو گاڑیوں کے درمیان ایک زنجیر ہوتی ہے جو اُنہیں آپس میں ملاتی ہے اِسی طرح یہ آیت ایک زنجیر ہے جو جنگ اُحد اور جنگ بدر کو آپس میں ملا دیتی ہے۔

جنگ بدر کے لیے جب آپ نکلے تو چونکہ اللہ تعالیٰ کے منشاء کے ماتحت آپ نے یہ اعلان نہیں کیا تھا کہ کُفّارِ مکہ کے ساتھ ضرور لڑائی ہونے والی ہے بلکہ صرف اِتنا کہا کہ شاید شام سے آنے والے تجارتی قافلہ کے ساتھ مقابلہ ہو جائے۔ اِس لیے کچھ لوگ تو آپ کے ساتھ چل پڑے لیکن باقی لوگ مدینہ میں ہی رہے۔ وہ سمجھتے تھے کہ شام سے آنے والے قافلہ کے ساتھ لڑائی ہونی ہے اور اس کے لیے تھوڑے سے آدمیوں کی ہی ضرورت ہوگی لیکن جنگ مکہ سے ابوجہل کی قیادت میں آنے والے لشکر سے ہوگئی اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح دی۔ کوئی شخص یہ خیال بھی نہیں کر سکتا تھا کہ عرب کے بااثر اور رُعب رکھنے والے لوگ اور پھر ایک تجربہ کار لشکر مسلمانوں سے شکست کھا جائے گا لیکن لڑائی ہوئی اور اس میں بڑے بڑے دشمن مارے گئے۔ دشمن شکست کھا کر واپس لَوٹا اور مسلمان مالِ غنیمت لے کر مدینہ واپس آئے۔ جو لوگ اِس جنگ میں شریک ہوئے تھے اُن کے اندر بڑائی کا احساس پایا جاتا تھا کہ خدا تعالیٰ نے انہیں ثواب کا موقع دیا۔ وہ جہاں بیٹھتے تھے کہتے تھے ہم نے یوں کیا، ہم نے وُوں کیا، کوئی کہتا تھا میں نے عتبہ پر یوں حملہ کیا تھا اور کوئی کہتا تھا میں نے شیبہ پر یوں ہلّہ بولا تھا۔ دوسرے مسلمان کہتے تھے تمہیں بیشک ثواب کا موقع ملا ہے لیکن افسوس کہ ہمیں پہلے پتا نہ تھا ورنہ ہم بھی اس موقع پر پیچھے نہ رہتے۔

جب مدینہ میں اِس قسم کی باتیں ہوتیں تو اُس وقت ایک انصاری جوش سے کھڑے ہو جاتے اور کہتے بس بس تم نے کیا کیا؟ اگر ہمیں موقع ملا تو ہم دکھائیں گے کہ کس طرح ہم خدا تعالیٰ کی راہ میں جان کی قربانی پیش کرتے ہیں۔10 یہ ایک کھیل سا بن گیا تھا کہ جوں ہی کوئی بدری صحابی فخر کرتے تو وہ کہہ دیتے بس بس تم نے کیا کیا ہے؟ ہمیں موقع ملا تو تمہیں قربانی کر کے دکھائیں گے۔ جب اُحد کی جنگ ہوئی اور مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی تو یہ صحابی پیچھے آ گئے۔ انہوں نے کھایا کچھ نہیں تھا۔ غریب آدمی تھے دس بارہ کھجوریں پاس تھیں وہ ٹہلتے جاتے تھے کہ اتنے میں وہ واقعہ پیش آ گیا کہ جس نے فاتح لشکر کو شکست خوردہ بنا دیا۔ اُحد کے پہاڑ کے ایک درّہ میں جو صحابی بٹھائے گئے تھے اور جنہیں حکم تھا کہ خواہ کچھ ہو وہ وہاں سے نہ ہٹیں انہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے خلاف وہ جگہ چھوڑ دی۔ وہ یہ سمجھ کر کہ کُفّار کو شکست ہو گئی ہے ہم یہیں بیٹھے رہے ہیں اور جہاد میں حصہ نہیں لیا درّہ چھوڑ کر نیچے آ گئے۔ جب کُفّار کا لشکر بھاگا جا رہا تھا تو خالد بن ولید جو اُس وقت ابھی کافر تھے اُن کی نظر اس درّہ پر پڑی اور انہوں نے دیکھا کہ مسلمانوں پر دوبارہ حملہ کرنے کا یہ بہترین موقع ہے درّہ خالی ہے۔ چنانچہ انہوں نے عمرو بن العاص کو ساتھ ملایا اور کہا یہ موقع ہے اسے ضائع نہیں کرنا چاہیے۔ چنانچہ انہوں نے اس درہ میں سے مسلمانوں پر پیچھے سے حملہ کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمان جو مالِ غنیمت اکٹھا کر رہے تھے یکدم انہوں نے دیکھا کہ اُن کے درمیان دشمن کی فوج آ گئی ہے۔ مسلمانوں کی تعداد ایک ہزار تھی اور دشمن تین ہزار کی تعداد میں تھا۔ پھر مسلمان بکھرے ہوئے تھے اور وہ اکٹھے اور تازہ دم ہو کر آئے تھے۔ اس لیے یکدم حملہ کی وجہ سے مسلمانوں کے قدم اُکھڑ گئے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس صرف بارہ تیرہ آدمی رہ گئے اور پھر وہ بھی زخمی ہوئے اور گرنے شروع ہوئے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اِس جنگ میں شدید زخم آئے اور آپ بیہوش ہو کر گر گئے۔ اور جو لوگ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کر رہے تھے اُن کے جسم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر گر گئے اور آپ نیچے دب گئے۔11 جب آپ پر دوسرے لوگوں کے جسم گرے اور آپ نے کوئی حرکت نہ کی تو مسلمانوں نے سمجھا کہ آپ شہید ہو گئے ہیں۔ آپ کے گرد جو لوگ تھے اُن میں سے جو بچے ان میں حضرت عمرؓ بھی تھے۔ انہیں یہ یقین ہو گیا تھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے ہیں۔ وہ میدان سے پیچھے ہٹے اور ایک پتھر پر بیٹھ کر رونے لگے۔ پاس ہی مذکورہ بالا انصاری صحابی ٹہل رہے تھے۔ انہوں نے حضرت عمرؓ کو روتے دیکھا تو آپ کے

پاس آئے اور کہا عمر! خدا تعالیٰ نے اسلام کو فتح عطا کی ہے اور تم رو رہے ہو؟ حضرت عمرؓ نے کہا تم شاید فتح کے وقت پیچھے آ گئے تھے۔ انہوں نے کہا ہاں! حضرت عمرؓ نے کہا تمہیں معلوم نہیں کہ اس کے بعد کیا ہوا۔ دشمن نے دوبارہ اچانک حملہ کیا جس سے مسلمانوں کے قدم اُکھڑ گئے۔ صرف چند آدمی رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس رہ گئے تھے۔ ان میں سے بھی بعض مارے گئے اور آپ خود بھی شہید ہو گئے۔ اُس صحابی کے ہاتھ میں صرف کھجور رہ گئی تھی۔ انہوں نے اُس کھجور کو پھینکتے ہوئے کہا کہ میرے اور جنت کے درمیان اِس کھجور کے سوا اَور ہے کیا؟ پھر انہوں نے حضرت عمرؓ کی طرف دوبارہ دیکھا اور کہا عمر! اگر ایسا ہی ہوا تھا تو تمہارا مقام محبوب کے پاس جانے کا تھا یا دنیا میں رہنے کا؟ اُس صحابی نے یہ کہا اور کُفّار کے لشکر میں گھس گئے۔ مسلمانوں کا لشکر اُس وقت پراگندہ ہو چکا تھا اور وہ اکیلے تھے۔ یہ تو صحیح ہے کہ انہوں نے مارا جانا تھا اور وہ مارے بھی گئے لیکن دیکھنے والی بات یہ ہے کہ وہ مارے کس طرح گئے؟ جب مسلمان لشکر دوبارہ اکٹھا ہو گیا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر سے لاشوں کو ہٹایا گیا تو معلوم ہوا کہ آپؐ زندہ ہیں۔ آپ کو جب ہوش آیا اور خدا تعالیٰ نے اسلام کو دوبارہ فتح دی تو آپ نے حکم دیا کہ شہداء کی لاشیں جمع کی جائیں۔ اَور نعشیں تو مل گئیں لیکن اس صحابی کی نعش نہ ملی۔ صحابہؓ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یَارَسُوْلَ اللّٰہ! باقی سب لاشیں مل گئی ہیں لیکن فلاں صحابی کی لاش نہیں ملی۔ آپؐ نے فرمایا دوبارہ تلاش کرو۔ چنانچہ صحابہؓ پھر گئے اور اس دفعہ اُن کی بہن کو بھی اپنے ساتھ لے گئے کہ شاید وہ بہت زیادہ کٹ گئے ہوں تو کسی نشان کے ذریعہ انہیں پہچان لیا جائے۔ ایک جگہ پر اُن کی انگلی پائی گئی جسے اُن کی بہن نے پہچان لیا اور کہا یہ میرے بھائی کی انگلی ہے۔ مزید تلاش کرنے پر مختلف جگہوں سے اُن کی لاش کے ستّر ٹکڑے ملے۔ 12 گویا انہوں نے اِتنی بے جگری سے لڑائی کی کہ مارنے والے مارتے چلے گئے، اُن کا پُرزہ پُرزہ کٹتا گیا لیکن اُن کی تلوار چلتی رہی۔ مرنے والا مر گیا لیکن کس شان سے مرا۔ لوگ کہتے ہیں "دہ دنیا ستر آخرت"۔ لیکن اِس مخلص کے تو اِس دنیا میں ہی ٹکڑے ہو گئے اور وہ ثابت کر گیا کہ اپنی زندگی میں وہ جو کہا کرتا تھا وہ محض فخر نہیں تھا، تعلّی نہیں تھی بلکہ وہ ایک سچائی تھی۔ یہاں تک کہ عرش سے خدا تعالیٰ نے کہا فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ۔ یعنی بیشک بدر کے موقع پر بعض صحابہؓ نے نہایت اعلیٰ نمونہ دکھایا لیکن کچھ صحابہؓ ایسے بھی تھے جو اِس انتظار میں تھے کہ انہیں موقع ملے تو وہ جان تک قربان کر دیں۔ بظاہر معلوم ہوتا تھا کہ یہ کمزوری کی علامت ہے لیکن وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا۔

انہوں نے جو کچھ کہا تھا اُسے پورا بھی کر دکھایا۔ پس مومن کی علامت تو یہ ہوا کرتی ہے کہ وہ ہر وقت قربانی کے مواقع کی تلاش میں رہتا ہے۔ جیسے چڑیاں دانے کی تلاش میں رہتی ہیں اسی طرح مومن قربانی کے راستوں کی تلاش میں رہتا ہے۔ وہ رستے تلاش کرنے سے گھبراتا نہیں بلکہ رستہ مٹ جاتا ہے تو گھبراتا ہے۔

خالدؓ بن ولید سے مسلمانوں کا بچہ بچہ واقف ہے۔ وہ جب فوت ہونے لگے تو اُن کے ایک دوست اُن کے پاس گئے۔ وہ رو رہے تھے۔ آپ کے اس دوست نے کہا خالد! مرنا تو سب نے ہے پھر تم رو کیوں رہے ہو؟ خالد نے کہا تم بھی میری طبیعت کو نہیں سمجھے۔ میں اِس وجہ سے نہیں روتا کہ میں موت سے ڈرتا ہوں بلکہ میں اس وجہ سے روتا ہوں کہ میں نے شہادت کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیا لیکن مجھے شہادت نصیب نہ ہوئی اور میں بستر پر مر رہا ہوں۔ میری ٹانگوں سے کپڑا اٹھاؤ اور دیکھو کہ کیا کوئی ایسی جگہ ہے جہاں تلوار کا زخم نہیں؟ انہوں نے ٹانگوں پر سے کپڑا اٹھایا اور رانوں تک لے گئے اور کہا خالد! یہاں کوئی ایسی جگہ نظر نہیں آتی جہاں تلوار کا زخم نہ ہو۔ پھر انہوں نے اپنا سینہ دکھایا، بازو دکھائے، پیٹھ دکھائی لیکن وہاں بھی کوئی ایسی جگہ نہ تھی جہاں تلوار کا زخم نہ ہو۔ خالدؓ کہنے لگے کیا اَب تم سمجھ سکتے ہو کہ میں نے کوئی ایسا موقع جانے دیا ہے کہ جب دشمن کا وار اپنے اوپر نہ لیا ہو؟ میں خطرناک سے خطرناک جگہ پر گیا تا کسی طرح شہادت نصیب ہو، میرے جسم کی ہر جگہ اِس بات کی گواہی دے رہی ہے کہ مجھے شہادت کا انتہائی شوق تھا لیکن پھر بھی میں بستر پر مَر رہا ہوں۔ پتا نہیں میری وہ کونسی شامتِ اعمال تھی جس نے مجھے اس سے محروم رکھا۔13

دیکھو! یہ اُس شخص کی حالت ہے جو مسلمانوں میں نمونہ کے طور پر سمجھا جاتا ہے۔ جس کے حالاتِ زندگی پڑھ کر مسلمان نوجوانوں کا خون جوش مارنے لگ جاتا ہے۔ وہ اتنی قربانی کے بعد رو رہا ہے کہ اسے شہادت کا موقع نہیں ملا۔ پھر تم دس اور انیس سال کا سوال کر کیسے سکتے ہو؟ یہ تو زندگی اور موت کا سوال ہے۔ یہ کام انسان کی زندگی سے شروع ہوتا ہے اور اس کی موت پر ختم ہوتا ہے۔ تم اچھی طرح سمجھ لو کہ یہ تعجب کی بات نہیں کہ "دس" سے "19" کیسے ہو گئے اور پھر "19" سے "ہمیشہ" کیسے ہو گیا۔ بلکہ تعجب کی یہ بات ہے کہ میرے جیسا آدمی جس نے قرآن کریم کا گہرا مطالعہ کیا ہے اُس کی زبان "دس" یا انیس کہتے ہوئے کانپ کیوں نہ گئی۔ اس نے یہ کیوں سمجھ لیا کہ تبلیغِ اسلام دس یا انیس سال کا کام ہے؟ تم اچھی طرح سمجھ لو کہ یہ تعجب کی بات نہیں کہ دس یا انیس سال کے لیے قربانی کرنے کو کیوں

کہا گیا بلکہ تعجب کی یہ بات ہے کہ جب میں نے "دس" یا انیس کہا تو تم بولے کیوں نہیں کہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ اُدھر آپ یہ کہتے ہیں کہ نماز ہمیشہ کے لیے ہے، خدا تعالیٰ کی راہ میں قربانی کرنا ہمیشہ کے لیے ہے لیکن اِدھر آپ کہتے ہیں کہ تم "دس" یا انیس سال کے لیے قربانی کرو۔ حیرت کی یہ بات نہیں کہ تحریک جدید کو انیس سال کی بجائے موت تک کیوں وسیع کر دیا گیا ہے بلکہ حیرت کی یہ بات ہے کہ میرے جیسے جرنیل اور تمہارے جیسے سپاہیوں کی موجودگی میں یہ بات کہی گئی ہے لیکن نہ میں بولا اور نہ تم بولے۔ پس یہ کوئی عجوبہ نہیں کہ تین کی بجائے دس کیوں کہا گیا یا دس کی بجائے انیس اور انیس کی بجائے اب موت تک اسے کیوں بڑھا دیا گیا۔ مومن قربانی کرتے چلے جاتے ہیں۔ وہ جب مریں گے یہ کہتے ہوئے مریں گے کہ کاش! ہمیں فلاں قربانی کرنے کا بھی موقع مل جاتا"۔

(الفضل 14 دسمبر 1951ء)

1: الاحزاب: 22 تا 25

2: سیرت ابن ہشام جلد 2 صفحہ 267۔ مطبع مصر 1936ء

3: وَوٰعَدْنَا مُوْسٰى ثَلٰثِيْنَ لَيْلَةً وَّاَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ (الاعراف: 143)

4: آل عمران: 55

5: البقرة: 21

6: اسلامی اصول کی فلاسفی، روحانی خزائن جلد نمبر 10 صفحہ 413 کمپیوٹرائزڈ ایڈیشن 2008ء

7: متنجن: ایک قسم کا میٹھا پلاؤ جس میں لیموں کی تُرشی بھی ڈالی جاتی ہے۔ (فیروز اللغات اردو جامع فیروز سنز لاہور)

8: گنجفہ: ایک کھیل جس میں 96 گول پتے ہوتے ہیں اور تین کھلاڑی۔

9: چوسر: کھیل چار گوشہ۔ بساط جس پر گوٹیں رکھی جاتی ہیں۔ (فیروز اللغات اردو جامع فیروز سنز لاہور)

10: صحيح بخاری کتاب المغازی باب غزوة اُحُدٍ

11: سیرت ابن ہشام جلد 3 صفحہ 85 تا 88۔ مطبع مصر 1936 (مفہوماً)

12: سیرت ابن ہشام جلد 3 صفحہ 88۔ مطبع مصر 1936ء

13: اسد الغابة جلد 2 صفحہ 100 "خالد بن ولید بن المغیرة"۔ بیروت لبنان 2001ء